Bi-Annual URDU
Vol. 100, No. 2, Jul-Dec 2024
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر قرۃ العین طارق ❁

نسیم انجم کے ناولوں میں معاشرتی جبر کی عکاسی

Reflection of social coercion in the novels of Nasim Anjum

By *Dr. Qurat-ul-Ain Tariq, House No. 94, Jasmine Block, Sector C, Bahria Town, Lahore.*

Abstracts

Nasim Anjum is one of intellectual and sensitive contemporary writer who potrays the bitter social facts, evils and injustice in human society, bringing forth the new possibilities in urdu fiction.As an eminent colluminist, short story writer and critics, her writings composed of social and feminist sensitivity. Her novels clearly revealed Pakistani society and its obsolete system, problems and diverse aspects of coercion. Social coercion had been the main subject in the novels since nineteenth century. After independence, many novelist focused on the social inequality and exploitation of humans regarding socio-ecnomic and political situations.In twenty first century, the critical discourse analysis would be discussed in terms of understanding the social realities and sufferings of women. Nasim anjum has a deep insight and realistic view about the gender injustice and violence faced by women in male chauvinistic society. This article explores and analyzes various aspects of outmoded system, human's problems, women sufferings and social coercion in tweenty first century of Pakistani society in her novels.

Keywords: Social coercion, Female individuality, Injustice, Violence, Urdu novels.

❁ مکان نمبر ۹۴، جیسمین بلاک، سیکٹر سی، بحریہ ٹاؤن، لاہور۔

Bi-Annual URDU
Vol. 100, No. 2, Jul-Dec 2024
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

نسیم انجم عہد حاضر کی باشعور اور حساس تخلیق کار ہیں جو انسانی سماج میں رائج العمل معاشرتی جبر اور نا انصافیوں کو بے نقاب کر کے زندگی سے جڑی حقیقتوں کا ادراک عطا کرتی ہیں۔ بطور فکر افروز کالم نویس، افسانہ نگار اور نقاد، اُن کی تحریریں سماجی و نسائی حساسیت سے عبارت ہیں۔ ان کے ناولوں میں اکیسویں صدی کے پاکستانی معاشرے اور اُس میں رائج العمل فرسودہ نظام، مصائب و آلام اور جبر کے متنوع پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ انھوں نے اپنے ناولوں کے ذریعے عورت کی صنفی حیثیت اور تشخص کو بخوبی اُجاگر کیا ہے۔ وہ معاشرتی جبر کی تصویر کشی کرتے ہوئے بے بس اور مجبور انسانوں کے مسائل سے نہ صرف آگاہی عطا کرتی ہیں بلکہ ایک بہتر۔ اُردو کے ابتدائی ناولوں میں انسان کی داخلیت و نفسیاتی پہلوؤں کے ساتھ معاشرتی مسائل اور اصلاحی نقطۂ نظر کو ہی اُجاگر کیا گیا۔ بعد ازاں زمانی تغیرات و رجحانات کے زیر اثر سماجی نسائی سماج کی تشکیل کی سعی بھی کرتی ہیں۔

کسی معاشرے کی تہذیبی اور ثقافتی زندگی کا تمام تر ڈھانچہ، فرد سے فرد کے لیے ہی تشکیل پاتا ہے اور اِس کا مقصد اُن کے انفرادی اور اجتماعی حقوق و فرائض اور آزادی کا تحفظ ہوتا ہے تاکہ فرد کی جسمانی، جذباتی اور معاشی ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔ یہ امر روزِ ازل سے واضح ہے کہ انسان کبھی اور کہیں بھی ایک مکمل اور آزاد معاشرے میں جنم نہیں لیتا۔ اس کے وجود اور سماج کی آبیاری، حقوق اور اختیارات کی حصول کی کوششوں سے مربوط ہوتی ہیں۔ وہ ایک منصف معاشرے کی تشکیل میں کوشاں رہتے ہوئے مسلسل فطری جبر، سیاسی و معاشی جبر، عصبی و جسمانی جبر کے خلاف برسرپیکار چلا آرہا ہے۔ اُس کے فکر و اظہار نے جب تحریر کی صورت، اس جبریت کو موضوع بنایا تو ادب میں معاشرتی اقدار کے ساتھ انسانی زندگیوں میں جبر و استبداد کی نشاندہی ہوئی۔ اِس تناظر میں جب ناول نگاری میں اسلوب اور عہد کے رجحانات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر دور کے معاشرتی، سیاسی اور تہذیبی صورت حال نے اُس دور کے مخصوص اسلوب کی نشوونما کی۔ ناول، زندگی کے کینوس سے جنم لیتا ہے اور گردوپیش کے واقعات و مشاہدات کا عکس پیش کرتا ہے اور تہذیبی جبر کے متنوع زاویوں کی ترجمانی کی گئی۔

اُردو ناول میں جدت کا تصور در حقیقت مخصوص وژن یا نقطہ نظر کے تحت اُجاگر ہوا۔ یہ نقطۂ نظر، زندگی سے منسلک حقائق کے ادراک اور معاشرتی، تہذیبی اور سیاسی زاویوں کے شعور سے عبارت ہے۔

ڈاکٹر ممتاز احمد خان کے خیال میں:

ناول نگار اپنی زندگی یا شخصیت سے جو اخذ کرتا ہے اس میں اُس کے نظریات و خیالات فطری

طور پر باقی تمام پہلوؤں پر فوقیت رکھتے ہیں اور یہی ناول کی بنیاد بحوالہ مخصوص نقطۂ نظر بن جاتے ہیں اور یہی نقطۂ نظر، اُس کی تحریر کے وژن کے طور پر سامنے آتا ہے۔ [۱]

گویا پہلے ناول نگار کی زندگی یا تجربات و احساسات، اُس کے مخصوص نظریات کی تشکیل کرتے ہیں اور پھر زمانی تغیرات و رجحانات کا عکس، تحریری اسلوب کی صورت اختیار کرتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد لکھے جانے والے ناولوں میں زندگی کے تلخ حقائق اور معاشرتی جبر و استحصال کی نشاندہی ہی نہیں ہوئی بلکہ تہذیبی اور اخلاقی اقدار کی شکست و ریخت کا عکس بھی نمایاں ہوا۔ دراصل نئی مملکت کے قیام کے بعد جو معاشرہ تشکیل پایا وہ منظم معاشرہ نہیں تھا بلکہ سیاسی و معاشی کشمکش اور امید و بیم کے درمیانی کیفیت کا حامل رہا۔ انھی میلانات کی عکاسی، اس دور کے ناولوں میں نمایاں ہوئی۔ اِس تناظر میں "خدا کی بستی" (شوکت صدیقی)، "آنگن" (خدیجہ مستور)، "اداس نسلیں" (عبداللہ حسین)، "تلاشِ بہاراں" (جمیلہ ہاشمی) و دیگر ناول اہمیت رکھتے ہیں۔ پاکستانی ناولوں میں جدت کا آغاز، ۱۹۸۰ء کی دہائی سے ہوتا ہے جب فکر و اسلوب میں ہیئتی، موضوعاتی، تکنیکی اور عصری تبدیلیاں اُجاگر ہوئیں۔ سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کو نئے تناظر میں پیش کیا جانے لگا۔ انسانی اخلاقی و نفسیاتی رویوں کو پوری معنویت اور عصری شعور کے ساتھ بیان کیا گیا۔ بیسویں صدی کے اختتام تک ناولوں میں معاشرتی جبریت کے زاویے، قومی اور عالمی منظر نامے میں انسانی پامالیوں اور کشمکشِ حیات کو واضح کرتے رہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ممتاز احمد خان لکھتے ہیں:

> ناولوں میں صورت ہائے احوال، الفاظ اور نظریات، خود کار نظام کے تحت ناول نگار کے قلم سے چشمے کی طرح پھوٹنے لگتے ہیں جب وہ مختلف قسم کے جبریہ مراحل سے گزرتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ انتظار حسین، ہجرت اور اُجڑنے کی بات کرتے ہوئے کراچی کی صورت حال کے حوالے سے جو بسا اوقات ہولناکی کی خبر دیتی رہی ہے، اپنے ناول "آگے سمندر ہے" کو نوشتہ دیوار بنا دیتے ہیں۔ شوکت صدیقی کے دو ناولوں "خدا کی بستی" اور "جانگلوس" میں بالترتیب شہری اور دیہی انڈر ورلڈ کی کارفرمائیوں سے سماجی ماحول میں جو تلخی اور زہر کے گھلنے کے بعد انسانی وجود پر لگنے والے زخموں کے بارے میں اظہارِ خیال کیا گیا مگر ناول کا یہ اعجاز کم ہے کہ وہ راہبر اور راہزن کو پہچان لیتا ہے۔ جوگندر پال کا ناول "نادید" جو اندھوں کی زندگی کا احاطہ کرتا ہے، ہمارے اندر تیسری آنکھ کھول دیتا ہے۔ [۲]

Bi-Annual URDU
Vol. 100, No. 2, Jul-Dec 2024
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اردو ناول کا مخصوص موضوع، عورت رہا ہے۔ انیسویں صدی میں اُردو ناول نگاری کے آغاز سے ہی عورتوں کی سماجی حیثیت اور مسائل حیات کو موضوع بنایا گیا اور سب سے پہلے مرد لکھاریوں نے صنفی محرومیوں اور آلام کی نشاندہی کرتے ہوئے سماج میں اُن کے مقام کو اُجاگر کیا۔ ڈپٹی نذیر احمد، راشد الخیری، مرزاہادی رسوا، منشی پریم چند و دیگر نے معاشرے میں عورت سے روا غیر منصفانہ طرزِ عمل اور اصلاحی پہلو کو اُجاگر کیا۔ خواتین تخلیق کاروں نے مرد اساس معاشرے میں عورت کی روایتی تذلیل، حاکمانہ رویوں اور محرومیوں کو نشان زد کرتے ہوئے جذباتی و نفسیاتی مسائل پر کھل کر اظہار خیال کیا۔ قرۃ العین حیدر، عصمت چغتائی، جیلانی بانو، صالحہ عابد حسین، جمیلہ ہاشمی، الطاف فاطمہ، رضیہ فصیح احمد، بشریٰ رحمان و دیگر تخلیق کاروں نے صنفی شناخت، سماجی استبداد اور روایتی حدبندیوں کے زیرِ اثر عورت کے احساسات اور لاحاصلی کو بخوبی نمایاں کیا۔ نئی صدی کے منظر نامے پر ناولوں میں اب بھی مرد اساس معاشرے میں عورت کی صنفی و سماجی حیثیت اور استحصال کو پورے عصری شعور کے ساتھ نشان زد کیا جارہا ہے۔ شہاب ظفر اعظمی، اپنے مضمون ''اکیسویں صدی میں اُردو ناول'' میں لکھتے ہیں:

> ہمارے ناول نگاروں نے اکیسویں صدی کی موجودہ زندگی کو اس طرح سمیٹ لیا ہے کہ شاید ہی عوام و خواص کی زندگی کی کوئی صورت اُن کی گرفت اور اظہاریت سے چھوٹی ہو۔ آج کی رنگارنگ زندگی، معاشرے پر مغربی دباؤ اور اثرات، معاشی صورتیں، نفسیاتی پیچیدگیاں، جنسی رویے، سیاست کے داؤ پیچ، استحصال کے نئے نئے روپ اور ہر پل نئے تجربات سے دوچار ہوتا سماج، بیان کے کھلے اور ڈھکے چھپے دونوں طریقے سے اِن ناولوں میں موجود ہے۔ (۳)

اس تناظر میں دیکھا جائے تو نسیم انجم نے اپنے ناولوں میں معاشرے میں جاری جبر و استحصال اور انسانی مسائل کو جس بالغ نظری سے پیش کیا ہے وہ اُن کے منفرد اندازِ فکر اور تخلیقی وژن کا آئینہ دار ہے۔ اُن کا پہلا ناول ''کائنات'' (۱۹۸۷ء) گرچہ رومانوی پیرائیہ اسلوب سے مملو ہے لیکن جبر کے زاویے، فرد کے داخلی مصائب اور معاشرتی استبداد کی نشاندہی کرتا ہے۔ نسیم انجم نے بیلا اور سحر کے کرداروں کی صورت مردانہ سماج میں عورت کی صنفی تذلیل، آلام اور معاشرتی استحصال کو بھرپور انداز میں نشان زد کیا ہے۔ یہ دو اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

> اپنے باپ کے ہوتے ہوئے بھی یتیم و بے سہارا تھی۔ اس کی ہستی تو ایک کٹھ پتلی کی مانند

Bi-Annual URDU
Vol. 100, No. 2, Jul-Dec 2024
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

تھی جس کا رخ جہاں کر دیا جائے۔ جب کھیلا جائے اور جب جی چاہے زمین پر پٹخ دیا جائے۔ اسے مداری جب تک نچاتا تھا ناچتی تھی۔ ہر حکم کی تابع تھی۔ ہونٹ چپ تھے مگر دل، کاتب تقدیر سے اپنی بربادی کی وجہ پوچھ رہا تھا۔ جسم گرم تھا لیکن روح یاسیت کی گہرائیوں میں ڈوب کر سرد ہو گئی تھی۔

بابا آوارہ تو نہ کہو۔ تو کیا شریف کہوں۔ وہ لکڑی کی بید سے اس کی تواضع کر دیتا۔ اُس کے جسم پر نیلے نیلے نشان پڑ جاتے وہ اس کا نازک بدن اُس وقت تک دھنتا رہتا جب تک وہ بے ہوش نہ ہو جاتی۔ ماں اسے بچانے کی پوری کوشش کرتی لیکن کامیابی اسے نصیب نہیں ہو پاتی۔ اُس کی کھال سے خون رسنے لگتا۔ کبھی آنکھ پھول کر کپا ہو جاتی۔ کبھی رخسار لہولہان۔ ایک ماں ہی تھی جو اُس کے زخموں پر پیار کا لمس اور ہلدی کا لیپ لگاتی۔ باپ کے لگائے ہوئے بہتان جب اُس کے دماغ میں گونجتے اسے ایسا لگتا کہ جیسے اس کے کانوں پر پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا ہو۔ (۴)

بیلا کو اُس کے باپ نے اپنا قرض چکانے کے لیے ایک پستہ قد، شرابی و جواری، نواز کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا جو اسے بیاہ کر لے تو آیا مگر اسے لونڈی سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا تھا جبکہ سحر کو اپنے باپ کے مظالم سے بچنے کے لیے ایک ایسے خود غرض شخص، امان کی وقتی محبت حاصل ہوئی جس نے صرف اس کی جذباتی و صنفی تذلیل ہی کی۔ یہ ناول عصری و نسائی صورتحال اور سفاک حقائق کو آشکار کرتا ہے۔ نسیم انجم نے عورت کے جذبات، نفسیاتی صورتِ حال اور مصائب کو ہی اُجاگر نہیں کیا بلکہ مردانہ سماج میں روا رکھے جانے امتیازی سلوک کی بھی نشاندہی کی ہے۔ عورت کے صنفی پامالی کا دکھ، اُن کے جملوں کی تلخی سے بخوبی عیاں ہوتا ہے۔ اس اقتباس میں سحر کی زبانی، صنفی پامالی کا الم یوں بیان ہوا ہے:

”ماں تُو ایک جفا کار سے پیچھا چھڑا کر دوسرے جفا کار کے پلے باندھ دے گی۔ ان کے نام... اُن کے رشتے مختلف ہوتے ہیں؟ لیکن عادات اطوار کے حساب سے ایک سے ہی ہوتے ہیں؟“

”کس کے نام بیٹا؟“ ماں نے حیران ہو کر کہا۔

Bi-Annual URDU
Vol. 100, No. 2, Jul-Dec 2024
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

"انہی مردوں کے۔۔۔"سحر جذبات کی رو میں بہہ گئی۔

" کبھی باپ کے روپ میں اور کبھی دادا کے۔ اور کبھی شوہر اور کبھی بھائی کے روپ میں تیروں کی بارش کرتے ہیں۔ خنجر کی نوک سے تمناؤں کا قتل کرتے ہیں۔ یہ جسم تو جسم روح کا بھی جنازہ نکال دیتے ہیں۔ ماں اپنے اپنے تجربے کی بات ہے۔ میں نے اپنے گردوپیش میں یہی دیکھا ہے۔ وہ بھی بڑا ستم گر تھا جس نے ایک قدم ساتھ چل کر دوسرے قدم پر اپنی راہ جدا کر لی۔۔۔" (۵)

نسیم انجم، عورت کی انا کو برقرار رکھتے ہوئے اسے سمجھوتہ کرنے کا درس تو دیتی ہیں لیکن اس کی خودی کو روندنے کا حق نہیں۔ وہ مفاہمت تو کر سکتی ہے مگر ظلم و زیادتی کے خلاف بھرپور مزاحمت کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔ سحر کے کردار میں ایک ایسی ہی عورت کی تصویر پیش کی گئی ہے جو مردوں کے استحصال کے خلاف سینہ سپر ہونے کا عزم رکھتی ہے۔ اُس کی وجودی پامالی اور محرومیوں نے ہی اسے جرات مندی اور آزادی اظہار سے روشناس کیا ہے۔ سحر کے اس بیان میں جذباتی اسلوب کے برعکس احتجاجی لہجہ نمایاں ہے جو نئی صدی کی عورت کو عزم و حوصلے سے ہم کنار کرتا ہے۔

" آج میں وہ نہیں ہوں۔ حالات نے مجھے فولادی چٹان بنا دیا ہے۔ تم جتنا مارو گے۔ زخمی تم ہو گے۔۔۔ چٹان نہیں۔۔۔ وہ اس کی جرأت اور بے باکی دیکھ کر غصہ سے بے قابو ہو گیا۔ اُس نے اس کی چوٹی پکڑ کر چاروں طرف گھمایا اور پھر زمین پر گرا دیا۔ وہ شیشے کے ٹکڑوں پر گر کر زخمی ہو گئی، جلد ہی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اٹھی، اپنے پاس پڑی ہوئی موسلی اٹھائی۔ کہو تو اب میں تمہارا خون کر دوں۔" (۶)

درحقیقت یہ اس ترقی یافتہ دور کا المیہ ہے کہ عورت، معاشرتی جبر و استحصال اور ناانصافیوں سے اب بھی برسرِپیکار ہے۔ مرد اساس سماج، اس کی جنسی پامالی کے درپے ہے لیکن وہ اپنی شناخت اور حقوق کے لیے سرگرم عمل ہے۔ نسیم انجم نے اس ناول کے ذریعے زندگی کے تلخ حقائق، خود شناسی اور نسائی حسّیت کو بخوبی اُجاگر کیا ہے۔ ڈاکٹر منظور الدین احمد کے مطابق:

نسیم انجم کا ناول "کائنات" ہمارے موجودہ معاشرے کی ایک کامیاب اور سچی تصویر ہے۔ اس میں تمام باتیں پوری طرح واضح ہیں، تلخ سماجی حقیقتیں جس چابک دستی سے اُجاگر

Bi-Annual URDU
Vol. 100, No. 2, Jul-Dec 2024
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

کی گئی ہیں اس سے مصنفہ کا مشاہدہ اور احساس کی گہرائی، عصری شعور اور مقصدیت نمایاں ہے۔ (۷)

نسیم انجم کا دوسرا ناول "نرک" (۲۰۰۷ء) مخنث کی زندگی اور معاشرتی بے قدری کا احاطہ کرتا ہے۔ خواجہ سرا، معاشرے کا وہ طبقہ ہے جن کے مسائل پر بہت کم لکھا جاتا ہے۔ اِن کا وجود، زندگی بھر اپنوں اور بیگانوں کی بے اعتنائیوں، محرومیوں اور آلام کا مجموعہ بن جاتا ہے۔ وہ جیتے جاگتے، حساسیت سے پُر اور آزاد انسان ہوتے ہوئے بھی معاشرے کے تلخ اور غیر منصفانہ رویوں کا شکار رہتے ہیں۔ اِس ناول کے ذریعے خواجہ سراؤں کے عادات و اطوار، پُر اسرار طرزِ زندگی، مسائل، سماجی رویوں اور "زنان" بنائے جانے کے عمل و مضمرات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

نسیم کا ایک اہم وصف حساسیت اور دردمندی ہے جو انھیں معاشرے کے مجبور و بے کس انسانوں کی زندگیوں سے جوڑ دیتا ہے۔ اس لیے انھوں نے اس معتوب طبقے کی فردی حیثیت اور مصائب کو بڑی خوبی سے اُجاگر کیا ہے۔ ناول کے دو مرکزی کردار، ببلو اور دانش، جو پیدائشی طور پر مخنث نہ تھے، کو جبری طور پر ہیجڑوں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ببلو (گوپی) جو امیر والدین کا اکلوتا بیٹا تھا، کو اغوا کر کے زبردستی "زنان" کے عمل سے گذارا گیا۔ اسے زنانہ لباس پہننے پر مجبور کیا جاتا اور بھاگ جانے کے ڈر سے قید رکھا جاتا۔ معصوم بچے پر اِس جبر و استحصال کی تصویر کشی کچھ یوں کی گئی ہے۔

> شام ہو چکی تھی، زیبا اور نیلوفر نے سرخ فرش بچھا دیے تھے۔ دیواروں کے سہارے چمک دار گاؤ تکیے رکھے تھے، نیلو اور ریشم کے لاکھ کوششوں کے باوجود ببلو نے زنانہ کپڑے نہیں پہنے تھے، بس گلابی رنگ کا دوپٹہ اوڑھ لیا تھا، جب گلابی رنگ کا دوپٹہ اوڑھ کر محفل میں آیا تو امی حضور، غصے سے سرخ ہوتی ہوئی بولی، "اوے کاکے، کیوں مولا بخش کو دعوت دے رہا ہے۔ فوراً جا کر کپڑے بدل، نہیں تو ...؟"
>
> وہ خوف سے پیلا پڑ گیا، اسے پچھلے دنوں کی مار یاد آ گئی، مار مار کر اسے زخمی کر دیا تھا، زیبا نے اُس کا کان مڑوڑا، نیلو، اُس کا کاندھا کھینچ کر کمرے میں لے گئی، "تو پاگل ہے کیا؟ کتنا میں نے تجھے سمجھایا تھا، کیوں اپنی کھال ادھڑوانا چاہتا ہے، چل جلدی کر، نہیں تو اُس دن کی طرح تیری پٹائی ہو جائے گی۔"

"لیکن میں سوتے وقت اتار دوں گا۔" وہ ہار کر بھی ہارنا نہیں چاہتا تھا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" زیبا نے اسے گلے لگا لیا۔ (۸)

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ پیدائشی طور پر مخنث بچے کو والدین، خواجہ سراؤں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اُس کے احساسات اور محرومیاں، زندگی کی کربناک سچائی کی صورت، ہمیشہ کے لیے اُس کی ذات کو لہولہان کرتی رہتی ہیں۔ ناول کا کردار "ریشم" رشتوں کی اسی بیگانگی اور نفرت کا شکار ہوئی۔ اُس کے جذبات اور شکستگی کی ترجمانی یوں ہوتی ہے۔

> میں بھی اس دروازے پر کبھی نہ گئی، جہاں سے مجھے اُس وقت نکال دیا گیا تھا جب مجھے ماں باپ کی ضرورت تھی۔ اُن کی شفقت اور چھاؤں میں پلنا، میرا حق تھا۔ میں ہیجڑہ خود نہیں بنی تھی مجھے قدرت نے ہی ہیجڑہ بنا کر پیدا کیا تھا، پھر بھلا میرا کیا قصور؟ میرا عیب دار وجود اُن سب کی بدنامی کا باعث تھا، پھر میں کیوں اُن کی عزت خراب کرنے جاتی... میں نے ابا سے کئی بار کہا مجھے اپنے بہن بھائی اور اماں سے ملنے کی اجازت دے دیں۔ پر ابا نے سختی سے منع کر دیا۔ (۹)

تیسری جنس کے نام سے اِس معتوب و محروم طبقے، اس کے مسائل حیات اور معاشرتی جبر کا تجزیہ جس مہارت اور دردمندی سے پیش کیا گیا ہے وہ قابل تحسین ہے۔ اس ناول میں واقعاتی سانحات کے ساتھ جذبات کی شدت، متوازی صورتوں میں نمایاں ہوئی ہے لیکن اس کے پہلو بہ پہلو روزمرہ زندگی، انفرادی مسائل اور سماجی بے قدری کو بھی بخوبی اُجاگر کیا گیا ہے۔ ببلو (گوپی) کا اپنے باپ کے جنازے میں شامل ہونے اور اپنی بے بسی کا بیان، معاشرتی جبریت کا ہی ترجمان ہے۔

> وہ آنسو پونچھتی ہوئی ٹیکسی کی طرف چل دی... تمام لوگوں نے قبر پر مٹی ڈالی، فاتحہ پڑھی... اور بس کی طرف چل دیے۔ جب بس نظروں سے اوجھل ہو گئی تب وہ بوجھل بوجھل قدموں سے ٹیکسی سے اتری۔ دو مٹھی مٹی اٹھا کر قبر پر چھڑکاؤ کیا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
>
> "ڈیڈی... میرے ڈیڈی! آپ کی عزت بچانے کے لیے میں جیتے جی آپ سے مل نہ سکی۔ کیا کرتی... یہ سماج یہ معاشرہ آپ کا اور ماما کا جینا مشکل کر دیتا اور میں بھی آپ کے کسی کام کی نہ تھی، نہ لڑکی اور نہ لڑکا... ڈیڈی مجھے بھی اپنے پاس بلا لو... یہ زندگی کسی کام

کی نہیں ہے... ڈیڈی میں تو اس وقت ہی مر گئی تھی جب اِن لوگوں نے مجھے اغوا کیا تھا۔ میں آج تک اپنے کندھے پر اپنی لاش اٹھائے در در کی ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہوں... جھوٹے رشتے ناتے آخر کب تک ساتھ دیتے... میں آج بھی تنہا ہوں ڈیڈی... بس آپ کے اور ماما کے پاس آنا چاہتی ہوں۔" (۱۰)

نسیم انجم کا تخلیقی کینوس بہت وسیع ہے۔ وہ عہد حاضر کے انسان کی وجودی اہمیت، جذبات و احساسات کی رو اور شکستگی کو اپنے مشاہداتی حس کے وسیلے سے اِس خوبی سے عیاں کرتی ہیں کہ تخیل اور تجربے کی ہمہ گیری کا احساس ہوتا ہے۔ اس کے سبب زندگی کی کربناک سچائیوں کا ادراک ہی نہیں ہوتا بلکہ درونِ ذات، جذباتی انتشار سے بھی آشنائی ہوتی ہے۔ اس میں نفسیاتی طور پر داخلی کشمکش اور تشخص کے مسائل اہم ہیں۔ "نرک" کے ذریعے معاشرتی جبر کے متنوع پہلوؤں کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس میں فرد کا فرد پر جبر، خونی رشتوں کا جبر، سماجی اقدار کا جبر اور انسانی تفریق و مخاصمت کے رویے شامل ہیں۔ یہ درحقیقت زمانے کے محروم اور ٹھکرائے ہوئے انسانوں کا حیاتی منظر نامہ ہے جو ہمارے گرد و پیش اپنی انفرادی شناخت کے حصول اور معاشی استحکام کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ فرزانہ کوثر کے مطابق۔

معاشرے میں مخنث کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، انھیں کہیں بھی روزگار کے مناسب مواقع فراہم نہیں کیے جاتے، بلکہ ہر سطح اور ہر موقع پر انھیں ذلیل و خوار کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرے میں مثبت کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے ایک خاص طرح کی طرزِ زیست اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں جو انھیں دو وقت کی روٹی تو مہیا کر دیتی ہے مگر اُن کی روح کو پوری طرح مسخ کر ڈالتی ہے۔ (۱۱)

نسیم انجم کے قوت مشاہدہ اور منظر نگاری نے ناول کی بنت میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ آغاز سے اختتام تک تمام مناظر، کردار اور ماحول کی سحر انگیزی نے قاری کو دم بخود کیے رکھا۔ وہ کرداروں کے ذریعے نازک و لطیف احساسات سے لے کر کھٹور و سفاک حقائق کے بیان تک، اثر آفرینی قائم رکھتی ہیں تاکہ پڑھنے والا کردار کی ذہنی، سماجی اور حسی اساس تک رسائی کر سکے۔ اپنے نفسیاتی تجزیے کے تحت انھوں نے ان تمام محرکات اور عوامل کا باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے جو سرسری نگاہ ڈالنے والوں کے مشاہدے میں ہرگز نہیں آسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ "نرک" کے بیانیہ میں احساس کا تیکھا پن اور سماجی شعور کی پختگی نظر آتی ہے۔ یہ نسیم انجم کی تحریر کی اہم

خوبی ہے کہ وہ زندگی کے مختلف اور متنوع پہلوؤں کو پورے فکری و عصری پس منظر کے ساتھ پیش کرنے کا ہنر جانتی ہیں۔ ابن عظیم فاطمی کی رائے میں۔

> نسیم انجم نے زبان اور واقعات نگاری کو جس پُر اثر اور رواں انداز میں تحریر کیا ہے وہ یقیناً ان کی فکری سطح، صلاحیت اور کامل مشق کی آئینہ دار ہے کیوں کہ ناول میں کردار اور واقعات کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہوتا ہے، چناں چہ ہر کردار اور واقعے پر اپنی گرفت برقرار رکھنا کمالِ فن کا متقاضی ہوتا ہے، جس میں یہ نہ صرف کہ انتہائی کامیاب ہیں بلکہ داد و تحسین کی مستحق بھی۔ (۱۲)

ناول ''نرک'' جہاں انسانی زندگی کے انسلاکات کے نشیب و فراز کا بہت عمیق مشاہدہ پیش کرتا ہے وہی متن کے اسرار و رموز کی پیچیدگیوں کو بھی عیاں کرتا ہے۔ ہر پہلو میں زندگی کا کوئی نہ کوئی رخ نمایاں ہوا ہے۔ زندگی کے تصادمات اور تضادات، غیر منصفانہ طرزِ عمل، جدائی کے دکھ اور وجودی پامالی سے لڑتا انسان، جو ان تضادات اور حادثات سے ٹکراتا ہوا اپنے آلام کا شکوہ بھی کرتا ہے اور زندگی کو نئے پیکروں میں ڈھالنے کی کوشش بھی۔ ببلو (گوپی) کی زبانی، اس الم کی ترجمانی کچھ یوں ہوتی ہے۔

> ہم ہیجڑے اصلی ہوں یا نقلی، ہماری نہ کوئی عزت ہے اور نہ ہمیں سچی خوشی حاصل ہے، ہر جگہ ہم دھتکارے جاتے ہیں، ہمارا مذاق اڑایا جاتا ہے اور جرائم پیشہ بھی نئی پود کو خوب استعمال کر رہے ہیں۔ اس طرح کے حالات میں تم سب اور خاص طور پر نئی آنے والیاں چاہیں تو اپنے گھر لوٹ سکتی ہیں اور کوئی عزت کا کام کر سکتی ہیں ورنہ ہماری طرح ساری عمر نرک میں جلتے گزر جائے گی اور ہاتھ پھر بھی کچھ نہ آئے گا۔ آخر یہاں آنے سے پہلے بھی تم لوگ کچھ نہ کچھ کام کرتی ہی ہوگی۔ (۱۳)

نسیم انجم نے اس ناول کے ذریعے خواجہ سراؤں کے جذبات و کیفیات کے ساتھ اس حقیقت کو بھی آشکار کیا ہے کہ اِن کی ذات صرف اُن کے لیے ہی باعث آزار نہیں بلکہ اُن سے متعلقہ افراد کے لیے بھی سوالیہ نشان بن جاتی ہے۔ یہ دکھ، وہ زندگی کی آخری سانس تک جھیلتے رہتے ہیں۔ وہ اُن کی وجودی شناخت کی بازیافت کے لیے سرگرم عمل رہتے ہوئے معاشرتی پامالیوں کو اس لیے نمایاں کرتی ہیں تاکہ اس محروم و مجبور طبقے کو دوسرے افراد کی طرح، مقام اور عزت مل سکے۔

نسیم انجم کے ناولوں میں مرد اساس سماج کی بے اعتنائی اور غیر منصفانہ رویوں کو بخوبی اُجاگر کیا گیا

Bi-Annual URDU
Vol. 100, No. 2, Jul-Dec 2024
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

ہے۔ اُن کے ناولوں کے نسائی کردار کہیں نہ کہیں اپنے حقوق کی جنگ لڑتے اور معاشرتی استبداد کے خلاف برسرپیکار دکھائی دیتے ہیں۔ تہذیب و معاشرت کی ناگزیر جبریت سے نبرد آزما اور صنفی قدر و منزلت کا حصول، اُن کے فکر و اظہار کو زندگی کے تلخ حقائق سے مربوط کردیتا ہے۔

تیسرے ناول "پتوار" (۲۰۱۴ء) کی کہانی ایک ایسی تعلیم یافتہ ڈاکٹر اسری کی زندگی کا احاطہ کرتی ہے جو بیوگی کے باوجود نہ صرف اپنے گردوپیش میں رونما ہونے والے ظلم و دہشت گردی کا مردانہ وار مقابلہ کرتی ہے بلکہ اپنے حقوق اور منصفانہ مقام کے لیے بھی کوشاں رہی۔ اِس ناول میں شہر کراچی کے سیاسی و معاشرتی منظر نامے میں انسانی المیوں اور جبریت کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔

> ان دنوں ملکی حالات دن بہ دن خراب ہورہے تھے۔ سیاسی لیڈر صرف اور صرف اپنی دکان چمکانے پر یقین رکھتے، انھوں نے اپنے مفاد کے لیے نوجوانوں کو اس طرح استعمال کیا کہ ان کے ہاتھ سے کتابیں چھین لی گئیں اور حقوق کی طلبی اور تعصب کی فضا پیدا کرکے انھیں مقابلے کے لیے اکھاڑے میں اتار دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حالات مزید بگڑتے چلے گئے۔ بھتہ خوری اور غنڈہ گردی نے لوگوں کا جینا حرام کردیا۔ بڑے بڑے تاجروں کو ہر ہفتے یا ہر ماہ، ہزاروں اور لاکھوں کے حساب سے بھتہ دینے کے باوجود اُن کی دولت پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑتا۔ چوں کہ ان کی آمدنی کروڑوں کے حساب سے تھی لیکن غریب بے موت مارا جاتا، اُس کے خون پسینے کی کمائی بندوق کے زور پر چھین لی جاتی، اس کے گھر میں فاقوں کی نوبت آجاتی لیکن وہ بے چارے، رزق حلال کمانے کی غرض سے دکان یا ٹھیئے پر پھر اشیا بیچنے پر مجبور ہوجاتے۔ (۱۴)

اس ناول کے ذریعے نسیم انجم نے ملک میں دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے عفریت اور منافرت کی فضا کی بخوبی نشاندہی کی ہے۔ دہشت گردی چاہے ملکی سطح پر ہو یا عالمی تناظر میں، اس کے اثرات بہر طور عام آدمی کی زندگی میں نفسیاتی مسائل اور معاشی ناہمواریوں کی صورت نمایاں ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر اسری نے بھی اس دہشت گردی کی صورت اپنے محبوب شوہر کو کھویا لیکن اپنے عزم و حوصلے کی بنیاد پر اپنی زندگی کو دوسروں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کردیا۔ اس ناول میں مصنفہ نے عورت کی صنفی اہمیت اور تشخص کو اُجاگر کرتے ہوئے مرد کی بے اعتنائی اور خود غرضی کو نشان زد کیا ہے۔ انھوں نے مشرقی روایات و اقدار کے پس منظر میں ازدواجی زندگی کے بحران

اور بے اعتباری کی مؤثر تصویر پیش کی ہے۔ ڈاکٹر اسری کے دوسرے شوہر، کمال کی ناقدری اور بے وفائی پر رد عمل یوں عیاں ہوتا ہے:

> اس کے جانے کے بعد وہ لاشعوری طور پر تیزی سے اٹھی اور باہر کی سمت کھلنے والی کھڑکی پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ اُس نے آہستہ سے دبیز پردہ سرکایا۔ باہر کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ کے برابر ایک خوبرو لڑکی، سنہرے بالوں میں زرد پھول لگائے ادائے بے نیازی سے بیٹھی اپنے اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔
>
> ''اوہ! تو یہ تھی وہ ہوشربا، جس نے کمال کی عقل و خرد پر اپنے حسن کا جال پھینکا ہے۔''
>
> کمال تیزی سے آیا۔ اس نے دروازہ کھولا اور گاڑی ایک لمحے میں ہی فراٹے بھرنے لگی۔ باہر کے منظر نے اُس کی آنکھوں کے گرد ملگجے اندھیرے کی چادر تان دی۔ (۱۵)

مرد اور مرد اساس معاشرے کی اجارہ داری، بالکل پتھر جیسی ہوتی ہے کہ جس سے نہ برگ و بار کی توقع کی جا سکتی ہے اور نہ ہی گل و ثمر کی۔ وہ بخوبی جانتی ہیں کہ عورت کی قد آوری بھی اُس کے لیے باعث آزار رہی ہے، گرچہ اس کا قد آور ہونا اپنی ذات میں مقید ہونے کے مترادف ہی ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ مرد اساس معاشرہ اُس کی انانیت اور قد آوری کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ نسیم انجم نے عورت کی زبوں حالی، استحصال، تنہائی اور کرب و اذیت جیسے موضوعات کو بیان کرتے ہوئے کسی پس و پیش سے کام نہیں لیا ہے بلکہ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کا طرز اظہار اور طریقہ ہائے ادراک، دونوں ہی کی زیریں سطح پر اُن کا نسوانی تخلیقی شعور اپنی تمام تر سادگیوں اور سچائیوں کے ساتھ کار فرما رہا ہے۔ صنفی پامالیوں کی صورتحال کو اس اقتباس میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

> اسریٰ خودکشی سے مرنے والے نوجوانوں اور خواتین کو دیکھ کر تڑپ جاتی۔ کیسی پیاری پیاری شکلوں والی نوعمر لڑکیاں تھیں، کچھ نے اپنے ہاتھوں جان گنوائی تھی اور کچھ کو اُن کے شوہروں نے جہیز نہ لانے کے جرم میں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ آگ کے سمندر میں دھکیل دیا تھا۔ (۱۶)

نسیم انجم، جن سچائیوں کو اپنے ناولوں میں پیش کرتی ہیں وہ معمولات زندگی سے جڑی سچائیاں ہیں جو اپنے

Bi-Annual URDU
Vol. 100, No. 2, Jul-Dec 2024
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

وسیع تر مفہوم میں احساسات و جذبات کے اسرار کھولتی ہیں۔ تاریخ، ثقافت و سیاست کی تہہ داریوں کو منکشف کرتی ہیں۔ کہیں بھوک و افلاس تو کہیں بے اعتنائی و ریاکاری کو۔ کہیں خالص محبت و خلوص تو کہیں ظلم و احتجاج کو اُجاگر کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس ناول "پتوار" میں بھی مظلوم طبقات کے آلام اور معاشی جبر کے زاویے بخوبی عیاں ہوئے ہیں۔ یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> عوام کو فوجی حکومت سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں کہ شاید ناانصافی و ظلم کا ازالہ ہوگا۔ سب کو مساوی بنیاد پر حقوق دیئے جائیں گے لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ ویسی ہی مہنگائی شہر پر قابض رہی، لوگ حالات سے تنگ آکر خودکشی کو ترجیح دینے لگے، حادثات میں اب بھی کمی نہیں آئی، فوج بھی کیا کرتی... ملکی مسائل کو فوری طور پر حل کرنا ناممکن تھا، اس لیے حالات جوں کہ توں رہے...
>
> غریب کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچا کہ اس کے مقدر میں ازل سے لے کر ابد تک ظلم کی چکی میں پسنا لکھا ہے، کبھی ہاری بن کر ظلم سہتا ہے اور کبھی کاری، کہہ کر جان سے مار دیا جاتا ہے، غریب و مجبور انسان کو انصاف دلانے والا کوئی نہیں؟[۱۷]

نسیم انجم کا اہم وصف یہ کہ وہ اپنے بیانیہ میں عصری حالات او رواقعات کو صرف اوپری سطح پر ہی نمایاں نہیں کرتی بلکہ باطنی طور پر بھی کشمکش زمانہ، انسانی نفسیاتی الجھنیں، اخلاقیات اور نظریاتی ٹکراؤ کو پیش کرتی ہیں۔ ان کا قوت مشاہدہ، زندگی اور عصری تقاضوں سے مربوط اور جدت پسندی کا غماز ہے۔ ان کے یہاں تہذیبی علامات اور روایات کی پاس داری نظر آتی ہے جس سے اُن کی مثبت اور انفرادی سوچ کا اظہار ہوتا ہے۔ اُن کی کہانیاں آج کے انسان کا وہ عصر نامہ ہے جو ذات کے لہو رلاتے غموں سے لے کر بیرون ذات کے سلگتے ہوئے انسانی مصائب و آلام کو بیان کرتی ہیں۔

ابنِ عظیم فاطمی، نسیم انجم کی تخلیقی اُپج پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> نسیم انجم کی کہانیوں میں تجربات و مشاہدات کا حقیقی عکس ملتا ہے جو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہیں جو ہمارے معاشرے کا المیہ ہیں۔ انھوں نے روزمرہ کے مسائل و معاملات پر ماہر نباض کی طرح ہاتھ رکھا ہے۔ اِن کی کہانیوں کو پڑھ کر سرسری نہیں گزر سکتے۔ ہر کہانی کے اختتام پر آپ کچھ دیر کے لیے ساکت ہونے پر مجبور ہوجاتے ہیں اور معاشرے کی

زبوں حالی پرنم دیدہ بھی۔ (۱۸)

"آہٹ"(۲۰۱۵ء) نسیم انجم کا تخلیق کردہ ناولٹ ہے جس میں معاشرتی حقائق اور حادثات و سانحات کے تناظر میں فردی کشمکش، نسائی مصائب و محرومیوں اور ناقدری زمانہ کو پیش کیا گیا ہے۔ ناولٹ کا پلاٹ سادہ اور بیانیہ پختہ ہے۔ اِس کا مرکزی کردار" نیناں"ایک باہمت اور وفا شعار عورت ہے جو معاشرتی مسائل سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اپنے شوہر کا انتظار کرتی ہے۔ نیناں کی پہلی شادی ایک تنگ نظر شخص، شاہ زیب سے ہوئی تھی جس نے محض شک کی بنیاد پر پہلی ہی رات اس کی صنفی حیثیت کو روندتے ہوئے طلاق دے دی تھی۔ عورت کی اِس صنفی پامالی کا قصوروار یہ خود غرض معاشرہ ہے جس میں اُس کو بے بس اور کمزور شے سمجھ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ اِس سماج میں شاہ زیب جیسے بے رحم اور انا پرست مرد بھی ہوتے ہیں جو عورت کی بے قدری کا موجب بنتے ہیں اور یاسر جیسے باکردار اور منصف شخص بھی جس کی نظر میں عورت سراپا محبت اور باعثِ احترام ہوتی ہے۔ نیناں کو باعزت طور پر قبول کرنے والا یاسر، مردانہ سماج ہی کا فرد ہے جو عورت کی اِس تذلیل پر یوں نوحہ کناں ہوتا ہے۔

> اُس نے کس قدر بیدردی کے ساتھ اپنے گھر کی عزت کو کوڑے دان میں باسی پھولوں کی طرح ڈال دیا۔ کیا عزت بدن کے میل کی طرح ہوتی ہے جسے صابن اور پانی سے گندی نالی میں بہا دیا جاتا ہے یا پھر پیر کی جوتی کی طرح جب چاہے اتار کر پھینک دیا جائے۔ پھر اِس ابلیس نے فون کر کے مجھے بڑے فخر سے بتایا کہ وہ گھر میں رہنے کے قابل نہیں تھی۔ (۱۹)

اس ناولٹ میں متنوع انسانی کیفیات کی بھرپور ترجمانی ملتی ہے۔ جہاں یاسر اور شاہ زیب کے کرداروں کے ذریعے خیر اور شر کی نشاندہی کی گئی ہے وہیں نیناں اور زہرہ کی صورت نیک اور بد کی صفات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ دونوں بہوویں ہی ہیں لیکن محبت اور احترام کے تناظر میں دونوں کے رویوں میں واضح تضاد دکھائی دیتا ہے۔ ماں کے وجودی پیکر سے عقیدت اور خدمت کے جذبات مربوط ہوتے ہیں اور اُن کے ساتھ عفو و درگزر کی تاکید، مذہبی اور تہذیبی روایات کے طور پر بھی کی گئی ہے لیکن عہد حاضر میں ماں یا باپ کے ساتھ ناروا سلوک، معاشرتی جبر کی ہی ایک شکل ہے۔ یہاں نسیم انجم نے اِس حقیقت کو بخوبی اُجاگر کرتے ہوئے ماں کے عظیم رشتے کی ناقدری اور جابرانہ طرز عمل کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> جی آپ ٹھیک سمجھیں۔ یہ ہمارے معاشرے کا ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ جو عورت اپنے

ہاتھوں سے اپنا گھر بناتی ہے، خود بھوکی رہتی ہے۔ اپنے حصّے کا نوالہ اولاد کے منہ میں ڈالتی ہے اور پھر اپنے دل کا ٹکڑا، جس عورت کے حوالے کرتی ہے، وہی عورت اُس کے گھر سے اسے بے دخل کر دیتی ہے۔ اُس کا سب کچھ چھین کر اسے تہی دست، تہی دامن کر دیتی ہے۔ (۲۰)

یہ ناولٹ، محض خیر و شر یا انفرادی برتاؤ میں عمل اور ردعمل یا پھر جذباتی کیفیات کے مابین مختلف مظاہر کا بیان ہی نہیں ہے بلکہ ذہن و ضمیر کی کشمکش اور حیاتی حقائق کا آئینہ دار بھی ہے۔ اس میں انسانی رشتوں کی پاکیزگی، تنوع، حرارت اور جدید ٹیکنالوجی کے زیرِ اثر اخلاق و کردار کی ترجمانی ملتی ہے۔ نیناں کے کردار میں ایک مضبوط اور باعفت عورت کو پیش کیا گیا ہے جو معاشرتی اقدار و روایات کا پاس رکھتے ہوئے مصائب زیست سے نبرد آزما ہے۔ سماج میں اکیلی رہنے والی عورت کو ہمیشہ شک و شبہات اور غیر اخلاقی سرگرمیوں کے تناظر میں جانچا جاتا ہے۔ اُس کی تنہائی کی وجوہات اور مجبوری کو موضوع بنا کر اس کو بہ آسانی موردِ الزام ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ یہ بھی اس معاشرے کا المیہ ہے کہ عورت ہی عورت کی صنفی تذلیل کرنے اور تہمت لگانے میں پیش پیش رہتی ہے۔ مصنفہ نے اس حقیقت کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے:

" وہ صاحب جو آتے ہیں نا تمھارے گھر۔ بس ان کے ہی حوالے سے لوگ تم پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کر رہے ہیں۔"

کرنے دیجئے۔ دلوں کا حال اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اصل میں لوگوں کے پاس فارغ وقت بہت ہے۔ اس ہی لیے کردار کشی کرتے اور دوسروں کے عیب نکالتے ہیں، غیبت کرتے ہیں۔ خوب حرام کی کمائی آ رہی ہے۔ کسی کا میاں رشوت لے رہا ہے تو کسی کا شوہر سرِ راہ لوٹ مار اور یتیموں کا حق مار رہا ہے۔ جب انسان رزق حلال نہیں کھائے گا تو یہی کرے گا۔

اس بار مسز شہریار کا چہرہ دھویں کی زد میں تھا۔ وہ غصے سے بولیں۔" یہ تم کسے طعنے دے رہی ہو؟"

"آپ کیوں برا مان رہی ہیں۔ آپ میری کردار کشی میرے منہ پر کر سکتی ہیں اور میں جواب دینے کا حق بھی نہیں رکھتیں۔ آپ پڑوسی ہیں، آپ نے کبھی یہ جاننے کی

Bi-Annual URDU
Vol. 100, No. 2, Jul-Dec 2024
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

کوشش کی، یا سر کے بعد ہم کن حالات میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پڑوسیوں کا حق صرف اتنا ہی رہ گیا ہے کہ وہ دوسروں پر خواہ مخواہ کے عیب لگائیں اور ان کا جینا حرام کر دیں۔ "(۲۱)

نسیم انجم کے ناولوں میں مشاہدات و تجربات کی بوقلمونی عیاں ہیں۔ وہ جدید ٹیکنولوجی کے اِس ترقی یافتہ دور میں بھی انسانی سماج کے دوہرے رویوں، صنفی استحصال و تذلیل اور اخلاقی برائیوں کو اسی طرح بیان کرتی ہیں جیسا کہ گزشتہ ادوار میں ڈپٹی نذیر احمد، پریم چند، راشد الخیری، خدیجہ مستور و دیگر ناول نگاروں کے یہاں پیش ہوئے ہیں۔ اُن کا انداز بیان سادہ اور موثر ہے۔ وہ ایک حقیقت پسند تخلیق کار ہیں جو انسان کو ایک بہتر سماج کے خواب دکھانا چاہتی ہیں۔ اُس معاشرے میں جہاں رشتے بے معنی ہو گئے ہوں، اقدار زوال پذیر ہوں اور ظلم و ناانصافیاں رائج العمل ہو گئی ہو۔

نسیم انجم نے عورت پر مردوں کے ذہنی و جسمانی استحصال اور وجودی پامالیوں پر کھل کر اظہار خیال کیا اور جرات مندی سے اِن سے نبرد آزما ہونے کی تلقین بھی کی ہے۔ معاشرتی جبر و استبداد اور برائیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے، عورت کے نازک وجود پر کی گئی زیادتیوں کا کرب و اظہار، اُن کے پانچویں ناول" سر بازار رقصاں"(۲۰۱۷ء)" میں بھی نمایاں ہے۔ وہ اپنے ابتدائیے "سوال یہ ہے...؟" میں لکھتی ہیں:

> اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں نے "سر بازار رقصاں" کیونکر تحریر کیا؟ کیا محرکات اور وجوہات تھیں جن کے تحت میں نے خامہ فرسائی کی اور معاشرتی بربریت کو لفظوں کی زبان دی... تمام حضرات واقف ہیں کراچی منی پاکستان ہے اور ہر صوبے کی نمائندگی کرتا ہے۔ اپنے خیالات و افکار اور رسم و رواج کے حوالے سے ہر شخص مکمل آزادی کے ساتھ اپنا سفر زیست طے کر رہا ہے۔ اسی لیے کراچی کی ہواؤں میں خلوص و محبت بھی شامل ہے اور مفاد پرستی بھی۔ یہاں ہر دوسرا شخص اپنی غرض کی بات کرتا ہے... انھیں کراچی کی ترقی و تنزلی سے کوئی واسطہ ہرگز نہیں ہوتا ہے۔ اسی سوچ و فکر نے جرائم کو پروان چڑھایا ہے۔ ایسے ہی حالات کے تناظر میں میرے ناول کی کہانی" سرِ بازار رقصاں" جنم لیتی ہے اور جرائم پیشہ افراد کے چہروں سے نقاب اتارتی ہے۔ (۲۲)

اِس ناول کا مرکزی کردار بھی ایک عورت "نیلم" ہے جس کی زندگی کے ماہ و سال، مختلف جرائم پیشہ افراد

Bi-Annual URDU ❄ ISSN: 2519-6332 (Print)
Vol. 100, No. 2, Jul-Dec 2024 ISSN: 2708-1915 (Online)

کے زیرِ سایہ گزرے۔ وہ چھوٹی عمر میں ہندوستان سے پاکستان آتے ہوئے اپنے والدین سے بچھڑی اور ایک ہندو گھرانے کے زیرِ کفالت رہی جنھوں نے بعد ازاں ہندو مسلم فسادات کے ڈر سے ایک مشہور گویّے قیوم شاہ کو مہنگے داموں فروخت کر دیا۔ وہ اور اس کی بیوی نے نیلم کو ایک بیٹی کی طرح پالا لیکن بغیر تحقیق کے اس کو پاکستان میں رہنے والے اپنے بھائی کے بیٹے سے بیاہ دیا۔ قیوم شاہ کا بڑا بھائی اور بیٹا ناصر، قبروں سے مردے نکال کر اُن کے اعضا بیچنے کا دھندہ کرتے تھے۔ ناصر، نیلم سے بہت محبت کرتا تھا لیکن اپنے باپ کے ساتھ اُس کے گھناؤنے جرم میں شراکت دار تھا۔ نیلم کے کردار میں مصنفہ نے اُن تمام عورتوں کے دکھ نمایاں کیے ہیں جو مرد کی خود غرض خصلت اور جنسی ہوس کا شکار ہوتی رہی ہیں۔

"سر بازار رقصاں" کا موضوع در حقیقت اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ مردانہ سماج، اب بھی عورت کی ذات کو اپنے مقاصد کے لیے محور قص رکھنے کے لیے کوشاں ہے۔ نسیم انجم نے اِس ناول میں عورت پر معاشرتی جبر کے کئی زاویے آشکار کیے ہیں جو مرد اساس سماج میں روا رکھے جاتے ہیں۔ کہیں اُس کی معصوم آرزوؤں کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے تو کہیں اُس کے نازک وجود کی کرچیاں کرکے زندہ در گور کر دیا جاتا ہے۔ زندگی ہی میں اس کی صنفی تذلیل نہیں کی جاتی بلکہ موت کے بعد بھی اس کے بے جان لاشے کو بے حرمت اور ریزہ ریزہ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "زندگی میں تو نہ جانے حوا کی بیٹی کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہوتا ہے، مرد عورت کے حصول کے لیے قابیل کا روپ دھار لیتا ہے اور اپنے ہی بھائی ہابیل کا خون کر دیتا ہے۔ اِن حالات میں بھی آج کی بے قصور عورت قصوروار کہلاتی ہے اور نا کردہ گناہوں کی سزا پانے کے لیے کبھی بیوگی کا دکھ سہتی ہے تو کبھی بار بار فروخت ہونے کا، پاتال اور ذلت اُس کا مقدر بن جاتی ہے اور وہ فیصلے کے دن کا انتظار کرتی ہے۔ زندگی میں تو انسان تصور نہیں کر سکتا کہ قبر بھی غیر محفوظ ہو سکتی ہے، پیسے کی ہوس، بندے بشر کو شیطان کا چیلا بنا دیتی ہے بلکہ گرو کہنا مناسب ہو گا۔ نیلم نے دیکھا کہ جیسے وہ اپنی آنکھوں کے گڑھوں میں اپنی انگلیاں پیوست کر رہی ہے اور پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہی ہے:
>
> "میرے اندر کی ان چیزوں کو نکال لیا ہے جو مجھے زندگی اور روشنی بخشتی تھیں اور اب میں ایک ڈھانچے کی مانند ہوں۔" (۲۳)

نسیم انجم کے اسلوبِ بیاں میں صنفی شناخت اور پامالی کے پہلو، نسائی شعور کی دلالت کرتے ہیں۔ اُنھوں نے مردوں کے ظلم و ستم سے عورت کی خود حفاظتی اقدام کی کوشش کو بھی عیاں کیا ہے جو طبقہ نسواں کو اپنے حق و صنفی حیثیت کے حصول کے لیے گامزن کرتے ہیں۔ کہیں کہیں اُن کے یہاں تانیثی فکر کے آثار نمایاں ہوتے دکھائی دیتے ہیں مگر وہ مشرقی اقدار و روایات کی پروردہ ہیں اس لیے اپنی آواز کو بلند نہیں کرتی بلکہ مشاہدات کی روشنی میں معاشرتی حقائق کو بے نقاب کرتی ہیں۔ یہی ایک اچھے ناول نگار کی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے گردوپیش کے حقائق و سچائیوں کو ذاتی متعلقات سے مربوط کر کے بیان کرے۔ یہ ناول عصری و شہری کی جدید زندگی میں جرائم، پیری مریدی کے زیرِ سایہ سفاک عزائم اور بے سہارا عورتوں کو گھناؤنے مقاصد کے لیے استعمال کیے جانے کی حقیقت کو بھی آشکار کرتا ہے۔ نیلم کے کردار میں اُن تمام عورتوں کے دکھ بیان ہوئے ہیں جو ایک بے بس وجود کی طرح مردوں کے جابرانہ عزائم کا شکار ہوتی رہی ہیں۔ نسیم انجم عہدِ حاضر کی عورت کا وجودی المیہ یوں بیان کرتی ہیں۔

> افسوس کہ اس عظیم عورت کو سرِ راہ نچایا جاتا ہے... اسے بازار میں سجادیا جاتا ہے۔ وہ... وہ کمائی کا ذریعہ ہے، اس کی نمائش کرنے کے لیے اس سے اُس کا لباس چھین لیا جاتا ہے۔ ساتھ میں اسے پوسٹروں پر سجایا جاتا اور چینلز پر، رسالوں کے سرورق پر نیم عریاں لباس میں دکھایا جاتا ہے... دکھانے والے خوش ہیں، تماشبین خوش ہیں لیکن میں نہیں۔ میری طرح بے شمار مجبور و بے کس لڑکیاں ہیں جو اشاروں پر رقص کر رہی ہیں۔ ان کے لیے صبح و شام رقص و سرور کی محفلیں سجائی جاتی ہیں اور عورت ناچتی ہے... میں ناچتی ہوں... سرِ بازار ناچتی ہوں۔ (۲۴)

اس ناول میں بھی "نیلم" کا کردار، بظاہر بے بس ہوتے ہوئے بھی ایک مضبوط عورت کی ترجمانی کرتا ہے۔ وہ مردانہ حاکمیت اور جبر و استحصال کے سامنے زیرِ دست ہونے کے بجائے اپنے وجود کے تحفظ اور خود مختاری کے لیے برسرِپیکار دکھائی دیتی ہے۔ جیسے جیسے کہانی آگے بڑھتی جاتی ہے، عورت کے لیے مرد کی ذہنیت، منافقت اور دوہرے معیارات نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔ "نیلم" کی صورت، مصنفہ نے جبر و استحصال کے خلاف لڑنے کی قوت ہی عطا نہیں کی بلکہ خیر اور شر کی جنگ میں حق کا ساتھ دینے اور اصلاحِ معاشرہ کی ترغیب بھی دی ہے۔ وہ مردانہ عزائم کے تحت اُس کے اشاروں پر رقصاں رہنے پر ہرگز تیار نہیں اور نہ ہی اُس کے گناہوں میں

شریک بننے پر آمادہ ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہ بلا تامل اِن سماجی ناہمواریوں کو بے نقاب بھی کرتی ہیں اور اُن سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ بھی بخشتی ہیں۔ یہ خصوصیت، نسیم انجم کے ہر ناول اور ناولٹ میں اُجاگر ہوئی ہے۔ ''کائنات'' کی بیلا اور سحر ہو یا ''پتوار'' کی ڈاکٹر اسری، '' آہٹ'' کی نیناں ہو یا اِس ناول کی نیلم، سب ہی نسائی کردار، معاشرتی و مردانہ جبر کے خلاف اپنی صنفی شناخت اور حقوق کے لیے سرگرم عمل دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> اسے اپنا نام یاد آگیا تھا۔ میں نیلم ہوں، ایک پتھر ہوں جسے مختلف ہاتھوں میں، ایک نئے انداز سے بیچا جا رہا ہے... لوگ مجھے بار بار فروخت کر رہے ہیں... لیکن کیوں شاید اس لیے کہ نیلم، ایک ایسا پتھر ہے جو بے حد قیمتی ہوتا ہے، جسے راس آجائے وہی اس کا دیوانہ ہو جاتا ہے یا پھر دوسری صورت میں انگلی سے اتار پھینکتا ہے یا بیچ کر اپنی قیمت وصول کر لیتا ہے... آخر کب تک خرید و فروخت کا کاروبار چلے گا اور کب تک میں ٹھوکروں میں رہوں گی...؟[۲۵]

نسیم انجم کا منفرد طرزِ احساس، اُن کے لیے الگ منظر ناموں کا انتخاب کرتا ہے جہاں زندگی پر پڑنے والے مجبوری، بے چارگی، ملال اور دکھ کے سائے انھیں ہمہ وقت متوجہ رکھتے ہیں۔ انسانی زندگی کی بے ثباتی اور رشتوں کی ناپائداری کو انھوں نے پُراثر پیرائیہ میں بیان کیا ہے۔ اُن کے ناولوں میں مجموعی انسانی صورتحال کا اعتراف بھی ہے اور اُس کی تشکیلِ نو کی لگن بھی۔ روحِ عصر کا وسیع شعور بھی ہے اور مروجہ رسمِ پارینہ کے خلاف احتجاج بھی۔ اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو انسانی دردمندی کی قدر، ایک خاص اصولِ زندگی کے طور پر ابھرتی ہے جو مجبور اور بے بس انسانوں کو بہتر انسانی سماج کا خواب دکھانے کے درپے ہے۔ اُس معاشرے میں جہاں رشتے بے معنی ہو گئے ہیں، اقدار زوال پذیر ہوتی جا رہی ہیں اور معاشرتی استحصال رائج العمل ہو چکا ہو۔ انسان پر گزرنے والا ہر المیہ، اُن کی فکر کو مجروح کرتا ہے اور پھر دکھوں کی تجسیم، لفظوں میں ڈھل کر صفحہ قرطاس پر بکھر جاتی ہے۔ فضا اعظمی، اُن کی تخلیقی اُپج پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> نسیم انجم کے افسانے اور ناول، معاشرے کے تاریک گوشوں میں اس طرح سے اور اس انداز میں روشنی ڈالتے ہیں گویا وہ اِس کا حصّہ ہوں اور ہر صورت حال سے پوری طرح واقف ہوں۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جس کے لیے بہت عمیق مشاہدے، حساس دل اور گہری

Bi-Annual URDU
Vol. 100, No. 2, Jul-Dec 2024
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔ نسیم انجم کے قلم میں اُس لہو کی نشانیاں ملتی ہیں جو میری نظر میں ادب کی روح ہیں۔ (۲۶)

نسیم انجم، سچائی اور جرأتِ اظہار کا علم لے کر معاشرتی خباثتوں، صنفی حق تلفیوں اور انسانی جبریت کو بے نقاب کرنے کا اہم فریضہ سرانجام دے رہی ہیں۔ اُن کے تخلیقی کینوس پر ہر اُس مظلوم اور کمزور کی زندگی کا عکس اُجاگر ہوا ہے جو کہیں نہ کہیں ظلم و زیادتی کا شکار اور اُس سے برسرِپیکار دکھائی دیتا ہے۔ اُن کا اہم تخلیقی وصف یہ ہے کہ وہ گرد و پیش میں رونما ہونے والے واقعات، انسانی آلام اور حرکات کا اپنے وضع کردہ اصولوں کے تحت تجزیہ کر کے ہی کہانیاں تحریر کرتی ہیں۔ اُن کی فکر اور سوچ کی بنیاد حقیقت نگاری اور واقعیت پر مبنی ہے۔ مرد اساس معاشرے میں جاری صنفی محرومیوں اور روایتی حد بندیوں پر اُن کا ردعمل، عصری سماجی رویوں کی اندوہناک صورتحال کو واضح کرتا ہے۔ انھوں نے جرأت مندی کے ساتھ عورت کی تہذیبی، معاشی اور سماجی حیثیت کو نشان زد کر کے معاشرتی جبر اور بے غیرتی کو بخوبی اُجاگر کیا ہے۔ وہ جرائم اور انتہا پسندانہ عوامل کی پیش کش میں معاملات زندگی اور انسانی رویوں کو نہایت بالغ نظری سے بیان کرنے کا ہنر جانتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے افسانوں اور ناولوں میں حقیقی کردار اور طبقات سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اُن کے اسلوب بیان میں ٹھہراور استدلالی انداز کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ شفیق احمد شفیق، اپنے مضمون "نسیم انجم ایک فعال قلم کار" میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> نسیم انجم، چہار دیواری تک محدود رہنے والی خواتین میں سے نہیں ہیں، اس لیے اُن کا مشاہدہ اور تجربہ وسعت اور صداقت پر مبنی ہے۔ اِن کے تجربات اور مشاہدات مانگے کا اجالا نہیں ہیں بلکہ آنکھوں سے دیکھے ہوئے اور پورے وجود کے ساتھ محسوس کیے ہوئے ہیں، اس لیے ان کے فن کا سب سے بڑا وصف اس کی سچائی ہے۔ وہ حقیقی ماجراؤں کو افسانہ بنانے کے فن سے واقف ہیں۔ اس میں سماجی مشاہدے اور تجربے کے ساتھ ساتھ مطالعے کا بھی دخل ہے...
> نسیم انجم مشاہدے کے ساتھ ساتھ مطالعے کی اہمیت سے واقف ہیں اور یہی سبب ہے کہ اُن کے یہاں بوسیدگی اور فرسودگی نہیں، بلکہ تازگی اور تنوع ہے۔ (۲۷)

نسیم انجم کے ناولوں کے تجزیاتی مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے ایک مجاہدہ کی طرح معاشرتی جبر کے متنوع پہلوؤں کو بے نقاب کر کے انسانی آلام، صنفی مصائب و پامالی اور سماجی تنزلی کو بیان

Bi-Annual URDU
Vol. 100, No. 2, Jul-Dec 2024
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

کرنے کی سعی کی ہے جو قابلِ تحسین بھی ہے اور قابلِ تقلید بھی۔ جدید فکری اور عصری حسیت کا رمز، اُن کے ناولوں کو فنی گیرائی عطا کر دیتا ہے۔ یہ تخلیقی وصف انھیں عہد حاضر کے نمائندہ اور اہم ناول نگاروں میں انفرادیت بخشتا ہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان، ''آزادی کے بعد اردو ناول''، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۶ء)، ص ۵۰
۲۔ ایضاً، ''اردو ناول کے ہمہ گیر سروکار''، (لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۲ء)، ص ۲۰۳۔ ۲۰۴
۳۔ شہاب ظفر اعظمی، ''اکیسویں صدی میں اُردو ناول: ایک تنقیدی مطالعہ''، شائع کردہ: ''ادبی میراث''، ۱۹/ فروری ۲۰۲۱ء، https://adbimiras.com/ikkiswi-sadi-mein-urdu-novel-aik-tanqeedi-mutaliah-dr-shahab-zafar-azmi، رجوع کردہ: ۲۲/ دسمبر ۲۰۲۴ء
۴۔ نسیم انجم، ''دو ناول'' (کائنات اور آہٹ)، (کراچی، ظفر اکیڈمی، ۲۰۱۵ء)، ص ۱۰۴۔ ۱۲۶
۵۔ ایضاً، ص ۱۵۱۔ ۱۵۲
۶۔ ایضاً، ص ۱۴۷
۷۔ ڈاکٹر منظور الدین احمد، ''فلیپ'' مشمولہ '' سرِ بازار رقصاں''، (کراچی، میڈیا گرافکس، ۲۰۱۷ء)، ص ۲۰۹
۸۔ نسیم انجم، ''نرک''، (ایضاً، ۲۰۰۷ء)، ص ۵۰
۹۔ ایضاً، ص ۸۸
۱۰۔ ایضاً، ص ۲۱۲
۱۱۔ فرزانہ کوثر، ''نسیم انجم کی ادبی خدمات''، (کراچی، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء) ص ۱۳۸
۱۲۔ ابنِ عظیم فاطمی، ''نرک — اچھوتے موضوع پر ایک کامیاب ناول''، مطبوعہ روزنامہ ''نوائے وقت''، کراچی، ۲۰۰۸ء، بحوالہ ''نسیم انجم کی ادبی خدمات''، از فرزانہ کوثر، محولہ بالا، ص ۲۱۶
۱۳۔ نسیم انجم، ''نرک''، ص ۲۲۰
۱۴۔ ایضاً، ''پتوار''، (کراچی، ظفر اکیڈمی، ۲۰۱۴ء)، ص ۱۵
۱۵۔ ایضاً ص ۱۰۲
۱۶۔ ایضاً، ص ۹۱
۱۷۔ ایضاً
۱۸۔ ابنِ عظیم فاطمی، ''نرک — اچھوتے موضوع پر ایک کامیاب ناول''، ص ۱۱۶۔ ۱۱۷
۱۹۔ نسیم انجم، ''دو ناول''، (کائنات اور آہٹ)، ص ۱۵

Bi-Annual URDU
Vol. 100, No. 2, Jul-Dec 2024
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

۲۰۔ ایضاً، ص ۴۲
۲۱۔ ایضاً، ص ۶۸۔۶۹
۲۲۔ ایضاً، ”سربازار رقصاں“، (کراچی، میڈیا گرافکس، ۲۰۱۷ء)، ص ۹۔۱۰
۲۳۔ ایضاً، ص ۸۷
۲۴۔ ایضاً، ص ۵۳۔۵۴
۲۵۔ ایضاً، ص ۱۷۳۔۱۷۴
۲۶۔ ایضاً، ص ۲۱۲
۲۷۔ شفیق احمد شفیق، ”نسیم انجم: ایک فعال قلم کار“، مشمولہ ”عکاس انٹرنیشنل“، اسلام آباد، شمارہ نمبر ۱۹، ۲۰۱۴ء، ص ۱۶۵

مآخِذ

۱۔ انجم، نسیم ”نرک“، کراچی: میڈیا گرافکس، ۲۰۰۷ء
۲۔ ____، ”پتوار“، کراچی: ظفر اکیڈمی، ۲۰۱۴ء
۳۔ ____، ”دو ناول“ (کائنات، آہٹ)، کراچی: ظفر اکیڈمی، ۲۰۱۵ء
۴۔ ____، ”سربازار رقصاں“، کراچی: میڈیا گرافکس، ۲۰۱۷ء
۵۔ خان، ممتاز احمد، ڈاکٹر، ”اردو ناول کے ہمہ گیر سروکار“، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۲ء
۶۔ ____، ”آزادی کے بعد اردو ناول“، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۶ء
۷۔ کوثر، فرزانہ، ”نسیم انجم کی ادبی خدمات“، کراچی: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء

اخبارات و جرائد

۱۔ روزنامہ ”نوائے وقت“، کراچی، ۲۰۰۸ء
۲۔ ”عکاس انٹرنیشنل“، اسلام آباد، شمارہ نمبر ۱۹، ۲۰۱۴ء

ویب سائٹ

1. https://adbimiras.com/ikkiswi-sadi-mein-urdu-novel-aik-tanqeedi-mutaliah-dr-shahab-zafar-azmi

Bibliography:

1. Anjum, Naseem, *Nark*, Karachi: Media Graphics, 2007.
2. ____, *Patwaar*, Karachi: Zafar Academy, 2014.

3. ____, *Do Novel* (Kainaat & Ahat), Karachi: Zafar Academy, 2015.
4. ____, *Sar-e-Bazaar Raqsaan*, Karachi: Media Graphics, 2017.
5. Azmi, Shahab Zafar, *Ekkeesvin Sadi mein Urdu Novel: Ek Tanqidi Mutal'a in Adabi Miraas*, published on *Adabi Miras* on 19th February, 2021, See https://adbimiras.com/ikkiswi-sadi-mein-urdu-novel-aik-tanqeedi-mutaliah-dr-shahab-zafar-azmi, Visited on: 22nd Dec. 2024.
6. Fatimi, Ibn-e-Azeem, *"Nark"— Achootey Mauzu' par ek Kamyab Novel*, in Daily *Nawa-e-Waqt*, Karachi, 2008, Ref. Naseem Anjum ki Adabi Khidmaat, by Farzana Kausar, As mentioned above.
7. Khan, Mumtaz Ahmed, Dr.. *Urdu Novel kay Hamageer Sarokar*, Lahore: Fiction House, 2012.
8. ____, *Azadi kay Bad Urdu Novel*, Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu Pakistan, 2016.
9. Kausar, Farzana, *Naseem Anjum ki Adabi Khidmaat*, Karachi: Alhamd Publications, 2021.
10. Shafiq, Shafiq Ahmed, *Naseem Anjum: Ek Fa'al Qalamkaar* in *Akkaas International*, Islamabad, No. 19, 2014.